احکام و مسائل لقطہ

محمد خالد سیف، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم = نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

لُقْطَۃ (قاف کے سکون کے ساتھ) یا لُقَطَۃ (قاف کے فتحہ کے ساتھ) لقط سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی گری پڑی چیز کے اُٹھا لینے کے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۔ (سورۂ یوسف : ۱۰)

"ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو، کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر اسے پکڑ کر لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو)"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ۔ (سورۂ القصص : ۸)

"تو فرعون کے لوگوں نے اس کو (موسیٰؑ کو) اٹھا لیا اس لئے کہ (نتیجہ یہ ہونا تھا کہ) وہ ان کا دشمن اور (ان کے لئے موجب) غم ہو۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے تھے۔"

ہماری معلومات کے مطابق "لقط" مصدر سے صرف یہی دو لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں، تیسرا کوئی لفظ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے انسان جس بھی گری پڑی چیز کو اُٹھائے اسے لقطہ کہا جاتا ہے

خواہ وہ انسان ہو، حیوان ہو یا مال وغیرہ ہاں البتہ بعض فقہائے نے لقطہ اور ضالّہ میں فرق کیا ہے، ہم انشاء اللہ تعالیٰ سطورِ ذیل میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ موضوع زیرِ بحث پر اس طرح روشنی ڈالیں گے کہ اس موضوع سے متعلق تمام گوشے قارئین کرام کے فکر ونظر کے سامنے آجائیں،

وما توفیقی الا باللہ!

لَقِیط کے معنی اور احکام

از روئے لغت لَقِیط ہر اس چیز کو کہا جا سکتا ہے، جسے زمین سے اُٹھایا جائے مگر عرف وعادت میں لَقِیط اس طفلِ مفقود کو کہتے ہیں جسے اس کی کفالت کی ذمہ داری کے خوف سے، یا بدکاری کے الزام کے ڈر کی وجہ سے یا کسی بھی اور سبب کی وجہ سے زمین پر پھینک دیا جائے تاکہ اس کے والدین کا علم نہ ہو سکے۔

حنفیہ کے نزدیک ایسے بچّے کو زمین سے اُٹھا لینا نہ صرف یہ کہ مستحب ہے بلکہ یہ عمل بہت ہی افضل واشرف ہے کیونکہ اس طرح ایک انسانی جان کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے اور اگر اس طرح گرے ہوئے بچّے کو نہ اُٹھانے کی صورت میں ظنِ غالب یہ ہو کہ اس کی موت واقع ہو جائے گی، تو پھر اسے اُٹھا لینا فرض کفایہ ہے۔

فقہاءِ احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک گرے ہوئے بچّے کو اُٹھا لینا فرض کفایہ ہے اور اگر نہ اُٹھانے کی صورت میں موت کا خدشہ ہو تو پھر اُٹھا لینا فرضِ عین ہے۔

لَقِیط کی پرورش کون کرے؟

لقیط کی تربیت اور پرورش کا زیادہ حق دار تو مُلتَقِط (اُٹھانے والا) ہی ہے لہٰذا اگر وہ چاہے تو اس بچّے کو خود پالے پوسے اور اس کی تعلیم وتربیت کے فرائض سر انجام دے اور اگر وہ چاہے تو اس معاملہ کو حکومت کے سپرد کر سکتا ہے تاکہ حکومت اس معاملہ کو کسی کے سپرد کر دے اور اس کے اخراجات بیت المال سے ادا کر دے، بیت المال تمام ضرورت مند مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہی ہوتا ہے مگر یہ اس صورت میں ہے جب لقیط کا اپنا کوئی مال نہ ہو اور اگر اس کے پاس اپنا مال بھی ہو یعنی مُلتَقِط کو لَقِیط کے ساتھ کچھ مال بھی ملا ہو تو پھر اس کے اخراجات اس کے اپنے مال سے پورے کئے جائیں گے کیونکہ اس صورت میں وہ بیت المال کا محتاج نہیں ہے، اس مسئلہ پر قریباً قریباً فقہاء کا اجماع ہے[۱]

---

[۱] المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۸۳، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۵، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۲۱

اگر مُلتَقِط خود خرچ کر رہا ہو اور قاضی کے حکم سے خرچ کر رہا ہو تو وہ لقیط کے بالغ ہونے پر اس سے یہ اخراجات واپس لے سکتا ہے اور اگر وہ قاضی کے حکم کے بغیر از خود خرچ کر رہا ہو تو پھر یہ صدقہ و خیرات کے حکم میں ہوگا اور اسے لقیط کی بلوغت کے بعد اس سے یہ خرچہ واپس نہیں لینا چاہیئے۔ یاد رہے جس طرح لُقطہ مُلتَقِط کے پاس امانت ہوتا ہے، اسی طرح لقیط بھی امانت ہی ہوتا ہے

لَقِیط کے جان و مال کا ولی کون ہے؟

لقیط کی حفاظت، تعلیم و تربیت، کفالت و نگہداشت اور اس کے مال میں تصرّف کے اعتبار سے حقِ ولایت مسلمان قاضی یا حاکم کو حاصل ہے، مُلتَقِط کو اس کے مال میں تصرف یا اس کے بیاہ شادی کے سلسلہ میں حقِ تصرّف حاصل نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّاوَلِیَّ لَهٗ۔[۲]

"جس کا ولی نہ ہو، حاکم (وقت) اس کا ولی ہے۔"

---

[۲] یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات صحابہ کرام سے مروی ہے، حضرت عائشہؓ کی روایت کو امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے محدثین نے ان الفاظ کے ساتھ روایت فرمایا ہے کہ:

"لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ، وَاَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، بَاطِلٌ، بَاطِلٌ، فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلِيٌّ فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّاوَلِيَّ لَهٗ"

"ابو داؤد (رقم ۲۰۸۳) ترمذی ج ۱ ص ۲۰۴، ابن ماجہ رقم ۱۸۷۹، احمد ج ۶ ص ۴۷، ۱۶۵۔ شافعی رقم ۱۵۴۳، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۳۷، ابن ابی شیبہ ۱/۲/۷، طحاوی ۲/۴، ابن الجارود رقم ۷۰۰، ابن حبان رقم ۱۲۴۸، دارقطنی رقم ۳۸۱، حاکم ج ۲ ص ۱۶۸، بیہقی ج ۷ ص ۱۰۵۔"

حدیث ابن عباسؓ سنن ابن ماجہؒ میں بایں الفاظ ہے۔

"لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ، وَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّاوَلِيَّ لَهٗ۔"

مکمل تفصیل و تخریج کے لئے ملاحظہ فرمائیے التلخیص الجبیر، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (ج ۳ ص ۱۵۶ – ۱۵۷ حدیث نمبر ۱۵۰۱ – ۱۵۰۴)

جب حاکم لقیط کی شادی کا انتظام کرے گا تو حق مہر اور شادی کے دیگر تمام اخراجات بیت المال سے ادا کرے گا بشرطیکہ لقیط کے پاس اپنا ذاتی مال نہ ہو اور اگر وہ خود مالدار ہو تو پھر تمام اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے، علی ھذا القیاس نان ونفقہ، لباس، علاج اور رہائش وغیرہ کے جملہ اخراجات بھی بوقت ضرورت و حاجت بیت المال سے ادا ہوں گے، جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بھی یہ عرض کیا ہے، بیت المال مسلم معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات ہی کے لئے ہوتا ہے، لقیط کے پاس اگر اپنا ذاتی مال ہو اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا وارث بھی بیت المال ہو گا الغرض بیت المال ہی اس کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔

لقیط کو آزاد اور مسلمان تصوّر کیا جائے گا

لقیط کے دین و شریعت اور اس کی معاشرتی حیثیت کے بارہ میں اگرچہ کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر اسے آزاد اور مسلمان تصور کیا جائے گا کیونکہ اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ہر انسان آزاد ہے اور اصول یہ ہے کہ اصلیت و حقیقت ہی کو معیار قرار دیا جاتا ہے اِلّا یہ کہ اس میں تبدیلی آجانے کی کوئی دلیل موجود ہو لہٰذا دارِ اسلام اور دارِ حریت سے ملنے والے ہر لقیط کو آزاد تصور کیا جائے گا، اسی اصول کے مطابق جب کوئی مسلمان کسی اسلامی ملک میں لقیط کو پائے تو اسے مسلمان تصور کیا جائیگا لہٰذا اگر وہ فوت ہو جائے تو مسلمانوں کے رسم و رواج کے مطابق اسے غسل دیا جائے گا، تجہیز و تکفین کی جائے گی، نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اگر لقیط کو کوئی ذمی شخص اٹھائے یا اسے مسلمان عیسائیوں کے چرچ، یہودیوں کے کنیسہ یا کسی ایسی بستی سے اٹھائے جس میں کوئی مسلمان نہ بستا ہو تو اسے بظاہر حالات پر قیاس کرتے ہوئے ذمی تصور کیا جائے گا۔

ابن سماعہ کی روایت "النوادر" میں ہے کہ اس سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ لقیط ملا کس کو ہے مسلمان کو یا ذمی کو، جگہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ اعتبار اس بات کا کیا جائے گا کہ اگر لقیط کسی مسلمان کو ملا ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر کسی ذمی کو ملا ہے تو وہ ذمی ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ لقیط کو حسب حال واجد یا مکان، مسلمان تصور کیا جائے گا۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :

"والصیحح ھذہ الروایۃ، فاذا وجدہ مسلم فی بلد اسلامی کان مسلماً تبعاً للدار، واذا وجدہ کافر فی دارالاسلام کان مسلماً،

وإذا وجده ذمی أو مسلم فی کنیسة کان ذمیًا۔"[۱]

یہی روایت صحیح ہے کہ جب کوئی مسلمان لقیط کو کسی اسلامی شہر میں پائے تو دارالسلام کے بالتبع لقیط کو بھی مسلمان تصوّر کیا جائے گا، اسی طرح کسی کافر کو اگر دارالاسلام سے کوئی لقیط ملتا ہے تو اسے بھی مسلمان سمجھا جائے گا لیکن اگر کسی ذمی یا مسلمان کو کسی چرچ یا گرجا گھر سے کوئی لقیط ملتا ہے تو اسے ذمی گردانا جائے گا۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں (۱) اعتبار مکان کا ہوگا (۲) اعتبار اس شخص کا ہوگا جس نے لقیط کو پایا ہے (۳) معیار مکان یا واجد ہوگا۔ یہ تیسرا قول فقہاء احناف کے نزدیک صحیح ترین قول قرار دیا گیا ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء شافعیہ و حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ لقیط اگر دارالاسلام سے ملا ہو تو وہ مسلمان ہوگا اور اگر دارالکفر سے ملا ہو تو اسے کافر تصوّر کیا جائے گا بشرطیکہ وہاں کوئی ایک بھی مسلمان رہائش پذیر نہ ہو اور اگر وہاں مسلمان بھی بستے ہوں تو پھر اصح قول کے مطابق تغلیباً للاسلام اسے مسلمان تصور کیا جائے گا۔[۲] کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ"[۳]

"اسلام ہی سربلند ہے، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا"

حسب ونسب

لقیط کو مجہول النسب تصوّر کیا جائے گا ہاں البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط اس کا ہے تو اس کے دعویٰ کو درست تسلیم کیا جائے گا اور لقیط کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا، اسی طرح اگر خود مُلتَقِط یا کوئی بھی دوسرا شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس دعویٰ کو بغیر دلیل ہی کے درست تسلیم کر لیا جائے گا، اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس دعویٰ کو بلا دلیل صحیح تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ احتمال تو دونوں باتوں کا ہے، ممکن ہے کہ یہ اسی کا بیٹا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس کا بیٹا نہ ہو لہٰذا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ دلیل کے ساتھ ان میں سے ایک احتمال کو ترجیح دی جائے مگر اس مسئلہ میں جو دعویٰ کو بغیر دلیل ہی کے درست

---

[۱] بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۸

[۲] مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۲۲، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۸۱

[۳] مسند احمد بسنن الدارقطنی بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۵ ص ۷۶۷

تسلیم کیا جاتا ہے، تو یہ اس لئے کہ یہ دعویٰ ایسے اقرار پر مشتمل ہے جو لقیط کے لئے منفعت بخش اور اس کے حق میں بہت بہتر ہے۔ پہلے ہی قدم پر اسے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ کسی نسب کے ساتھ منسلک ہو جائے گا، کسی بھی نسب کی طرف منسوب نہ ہونا، زندگی بھر اس کے لئے عار اور عیب تصور ہوگا لہٰذا اس نوعیت کے کیس میں انسانیت کے وسیع تر مفاد میں مدعی کے دعویٰ کی تصدیق میں دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس دعوی کو بلا دلیل ہی درست تسلیم کر لیا جائے گا۔

لقیط کے بارہ میں اگر کوئی ذمی دعویٰ کرے کہ یہ اس کا ہے، تو ذمی کے دعویٰ کو بھی درست تسلیم کیا جائے گا اور اس کا دعویٰ بھی ثبوت نسب کے لئے کافی ہوگا البتہ اس صورت میں لقیط کو مسلمان تصوّر کیا جائے گا کیونکہ ادعائے نسب ان امور میں مقبول ہے جو لقیط کے لئے منفعت بخش ہوں، ان امور میں قابل قبول نہیں ہے، جو اس کے لئے ضرر رساں ہوں۔ ذمی کا بیٹا ہونے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ کافر بھی ہے، ممکن ہے کہ اس کی ماں مسلم ہو لہٰذا بچے کو ماں باپ میں سے اس کے دین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس کا دین بہتر ہو جیسا کہ معروف ہے۔

اسی طرح اگر لقیط کے بارہ میں دو شخص مدعی ہوں اور ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی دلیل نہ ہو اور ان میں سے ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو لقیط کو مسلمان کی طرف منسوب کیا جائے گا کیونکہ لقیط کے لئے یہی بہتر ہے کہ اسے مسلمان کی طرف منسوب کیا جائے۔

اگر دونوں مدعی مسلمان اور آزاد ہوں اور ان میں سے کوئی بچے کے جسم میں کسی علامت یا مخصوص نشانی وغیرہ کو بیان کر دے اور اس کا یہ بیان درست ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ شخص دوسرے کی نسبت زیادہ حق دار ہوگا کیونکہ کسی علامت یا شناخت کا صحیح صحیح بیان کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لقیط اس کا ہے لہٰذا اسے ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عزیز مصر کی بیوی کے خاندان کے ایک فرد کی یہ بات جو نقل فرمائی ہے:

"اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ"

(یوسف: ۲۶-۲۷)

"اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسفؑ جھوٹا ہے اور اگر کرتا پیچھے سے

پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچی ہے۔"
تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی علامت، شناخت یا قرینہ کو بھی دلیل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کوئی علامت یا شناخت بیان نہ کر سکے یا دونوں ہی ایسے دلائل پیش کریں جو صحیح ہوں تو اس صورت میں فیصلہ یہ کیا جائے گا کہ یہ لقیط ان دونوں کا بیٹا ہے کیونکہ یہاں کسی ایک کو بلا دلیل ترجیح نہیں دی جا سکتی، چنانچہ اس طرح کے کیس میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا فیصلہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں کا بیٹا ہوگا، دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے۔

اگر دونوں میں سے ایک دلیل پیش کرے اور دوسرا کوئی علامت بیان کرے تو اس صورت میں دلیل کو ترجیح دی جائے گی!

فقہائے شافعیہ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جب ایک لقیط کے بارہ میں دو شخص مدعی ہوں اور ان میں سے کسی کے پاس بھی اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل نہ ہو تو اس صورت میں لقیط کا قیافہ شناسوں سے معائنہ کرایا جائے گا[1]۔ قیافہ شناس معائنہ کے بعد لقیط کو جس شخص سے منسوب کریں تو ان کے اس انتساب کو درست تسلیم کر لیا جائے گا۔ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں خون کے کلینکل تجزیہ سے بھی اس طرح کے مسائل میں مدد لی جا سکتی ہے بلکہ قیافہ شناسی کی نسبت، ہماری رائے میں یہ جدید سائنسی طریقہ زیادہ مفید، مؤثر اور نتیجہ خیز ہے ویسے بھی خاندانوں کے باہم دگر اختلاط کے باعث وہ نمایاں امتیازات وخصوصیات ناپید ہو گئے ہیں، جو کبھی خاندانوں کا طرۂ امتیاز ہوتے تھے اور پھر اس طرح کے ماہر قیافہ شناس بھی آج موجود نہیں ہیں، جس طرح ماضی میں ہوا کرتے تھے، لہٰذا ہماری دانست میں قیافہ شناسی کے بجائے اس طرح کے مسائل میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے خون کا کلینیکل تجزیہ زیادہ ممد ومعاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اگر لقیط کے بارہ میں کوئی خاتون یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے مگر اس خاتون کا خاوند نہ ہو تو اس کے دعویٰ کو درست تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر اس کا خاوند ہو تو پھر اس دعویٰ کو درست تسلیم کر لیا جائے گا یا پھر اس کے دعویٰ کو اس صورت میں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کوئی دایہ یا دو گواہ شہادت

---

[1]۔ قیافہ شناسی کی مشروعیت کی دلیل ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ہے کہ
بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

دے دیں کہ یہ اس کا بچہ ہے، اس صورت میں خاتون سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

اگر کسی لقیط کے بارہ میں دو عورتیں دعوے دار ہوں اور ان میں سے ایک عورت اپنے دعویٰ کی تصدیق میں کوئی دلیل بھی پیش کر دے تو وہ اس لقیط کی زیادہ حق دار ہوگی اور اگر دونوں عورتیں ہی اپنے اپنے دلائل پیش کر دیں تو امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ کسی ایک کا نہیں بلکہ دونوں کا بیٹا سمجھا جائے گا۔ امام محمدؒ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ اسے دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہ دیا جائے۔

ہماری دانست میں اس قسم کے مسائل میں حاکم یا قاضی کو فہم و ذکاء اور بصیرت و فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح فیصلہ کرنا چاہیئے جس طرح ایک کیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا تھا۔ کیس یہ تھا کہ دو عورتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ دونوں ایک بچے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کا شانۂ نبوت میں ایک بار اس طرح شاداں و فرحاں تشریف لائے کہ خوشی و مسرت کے باعث چہرۂ اقدس جگمگا رہا تھا۔ آپ نے تشریف لاتے ہی فرمایا:

أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدٍ وَأُسَامَةَ وَقَدْ غَطَّيَا رُؤُوسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ"

أخرجه البخاری (۲/۳۹۳، ۴/۲۹۲) ومسلم (۴/۱۷۲) وكذا ابو داؤد (۲۲۶۷، ۲۲۶۸)، والنسائی (۲/۱۰۸) والترمذی (۲/۱۸) والطحاوی (۲/۲۹۱) والبیہقی (۱۰/۲۶۲) واحمد (۶/۸۲، ۲۲۶) بحوالہ ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۴ - ۲۵ -

عائشہؓ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مُجَزِّز مُدلجی (ایک مشہور قیافہ شناس) نے ابھی ابھی زید اور اسامہ کو دیکھا ہے، جب کہ وہ دونوں اکٹھے لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے سروں کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا مگر ان کے پاؤں کھلے ہوئے تھے تو اس نے انہیں دیکھ کر کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔"

کے بارہ میں دعوے دار تھیں، حضرت داؤد علیہ السلام نے دونوں کے بیانات سن کر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کردیا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس فیصلہ کے وقت وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ اس کیس کا فیصلہ میں کرتا ہوں اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ

"ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقَّهُ بَيْنَكُمَا"

"تم میرے پاس چھری لاؤ، میں اس بچے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں۔"

یہ سن کر بڑی خاتون نے تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی مگر چھوٹی عورت نے چیخ کر کہا:

لَا تَفْعَلْ، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، هُوَ ابْنُهَا۔

"اے اللہ کے نبی! آپ ایسا ہرگز نہیں کیجئے، اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے، یہ بچہ اس عورت کا ہے، اسے دے دیجئے"!

مامتا کی ماری ہوئی اس چھوٹی خاتون کی چیخ کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا تو بچہ اسے دے دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ درحقیقت اسی خاتون کا ہے۔

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی "سنن" کے تین مختلف ابواب میں ذکر فرما کر درحقیقت اس حدیث سے تین مختلف مسائل کا استدلال فرمایا ہے، چنانچہ پہلے باب کا عنوان یہ ہے:

"اَلتَّوْسِعَةُ لِلْحَاكِمِ فِي أَنْ يَّقُولَ لِلشَّيْئِ الَّذِي لَا يَفْعَلُهُ أَفْعَلُ كَذَا، لِيَسْتَبِيْنَ بِهِ الْحَقَّ"

"حاکم کے لئے اس بات کی گنجائش ہے، کہ جس چیز کو وہ نہ کرنا چاہتا ہو، اس کے بارہ میں یہ کہے کہ میں اس طرح کرتا ہوں، جب کہ مقصود یہ ہو کہ حق واضح ہو جائے"

پھر آپ نے اسی حدیث پر یہ عنوان قائم فرمایا ہے، جو پہلے عنوان سے یقیناً زیادہ بہتر ہے:

اَلْحُكْمُ بِخِلَافِ مَا يَعْتَرِفُ بِهِ الْمَحْكُومُ عَلَيْهِ، إِذَا تَبَيَّنَ لِلْحَاكِمِ أَنَّ الْحَقَّ غَيْرُ مَا اعْتَرَفَ بِهِ۔

"محکوم علیہ کے اعتراف کے خلاف فیصلہ کرنا، جب کہ حاکم کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے

کہ حق وہ نہیں ہے، جس کا محکوم علیہ نے اعتراف کیا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اسی حدیث پر ایک تیسرا عنوان قائم فرمایا ہے، جو کہ حسب ذیل ہے:

"نَقْضُ الْحَاكِمِ مَا حَكَمَ بِهٖ غَيْرُهٗ مِمَّنْ هُوَ مِثْلُهٗ أَوْ أَجَلُّ مِنْهُ۔"

"ایک حاکم کا اپنے جیسے یا اپنے سے بڑے کسی دوسرے حاکم کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کرنا۔"

اس حدیث سے حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذکورہ بالا تین مسائل کا استدلال فرمایا ہے، اسی حدیث سے یہ چوتھا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے کہ قرائن اور شواہد کی روشنی میں بھی کسی قضیہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح اس حدیث شریف سے ہم اس پانچویں مسئلہ کا استدلال بھی کر سکتے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث میں ایک عورت کے حق میں فیصلہ کرنا ہو گا، دونوں کو بچہ دینا تو دونوں کے لئے فتنہ و فساد کا مستقل دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

اسلامی نظام عدل و قضاء میں فراست اور قرائن و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی اہمیت و حیثیت کے موضوع پر ہمارے اسلامی لٹریچر میں ایک بہت ہی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ کتاب موجود ہے، جس کے مطالعہ کی ہم اپنے قارئین کرام سے بطور خاص سفارش کریں گے، یہ کتاب "اَلطُّرُقُ الْحُكْمِيَّةُ فِي السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ" ہے، جس کے مصنف حضرت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مصر کے مطبعۃ المدنی، القاهرة، کے زیر اہتمام اس کتاب کا ایک بہت اچھا ایڈیشن طبع ہوا ہے، جسے ڈاکٹر محمد جمیل غازی نے ایڈٹ کیا ہے۔

لَقِيط سے متعلق ان ضروری احکام کے تذکرہ کے بعد، اب ہم لُقَطَہ سے متعلق ضروری احکام مسائل کو بیان کرتے ہیں۔

لُقَطَہ کے معنی

لُقَطَہ کو قاف کے فتحہ اور سکون کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، لقطہ کے معنی اس مال کے ہوتے ہیں، جو گرا پڑا ملے۔ اصطلاح شریعت میں — جیسا کہ امام ابن قُدامہ حنبلیؒ نے بیان فرمایا ہے — "لقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو مالک سے گر جائے اور اسے کوئی دوسرا شخص اُٹھائے"[1]، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے، مثلاً "فتاویٰ تاتارخانیہ" میں ہے کہ لقطہ سے مراد وہ مال ہے، جو کسی کو ملے مگر اس کے مالک کا علم نہ ہو کہ

[1] المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۳۰۷۔ کتاب اللقطہ

وہ کون ہے، مالِ حربی کی طرح لقطہ مباح نہیں ہوتا۔[۲]

کیا لُقطہ کو اُٹھالینا چاہیئے؟

اس مسئلہ میں فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے کہ لقطہ کو اُٹھالینا چاہیئے یا نہیں؛ ائمہ حنفیہ وشافعیہ فرماتے ہیں کہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ لقطہ کو اُٹھالیا جائے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے مال کی حفاظت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

"واللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ"[۳]

"اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کی مدد میں ہوتا ہے، جب بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔"

فقہائے مالکیہ اور حنبلیہ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی بنیاد پر یہ رائے ہے کہ لقطہ کو اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح مالِ حرام کھانے کا اندیشہ ہے اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ شاید وہ ان واجبات کو پورا نہ کرسکے جو لقطہ اُٹھالینے کی صورت میں اس پر عائد ہوتے ہیں مثلاً لقطہ کا اعلان کرنا، اس پر کوئی دست درازی نہ کرنا اور مالک کے مل جانے کی صورت میں بلا کم وکاست اسے دے دینا۔[۱] وغیرہ

یہ تو لُقطہ سے متعلق ایک عام حکم ہے، جہاں تک اس موضوع سے متعلق تفصیلات کا تعلق ہے، تو ہر فقہی مکتبِ فکر کے فقہاء وعلماء نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اس کی الگ الگ تفصیلات بیان کی ہیں مثلاً علماء حنفیہ نے فرمایا ہے ــ شافعیہ کا بھی یہی قول ہے ــ کہ جس شخص کو اپنے امانت دار ہونے کا یقین ہو اور اسے اس بات کا بھی اندیشہ ہو کہ اگر اس نے لقطہ نہ اُٹھایا تو اسے کوئی فاسق فاجر شخص اُٹھالے گا اور اس طرح یہ ضائع ہو جائے گا، تو اس صورت میں لقطہ کو اٹھالینا مستحب ہے، اگر ضیاع کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسے اُٹھالینا مُباح ہے اور اگر اسے یہ علم ہو کہ اگر اس نے اُٹھایا تو اس

۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہٗ، ج ۵ ص ۷۶۹

۳۔ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲، ۲۹۶، ۵۰۰، ۵۱۴۔ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۷ ص ۲۱

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۲۳، الدر المختار ج ۳، ص ۴۰۶۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ج ۲ ص ۲۹۹، مغنی المحتاج، ج ۲ ص ۴۰۶، المغنی ج ۵ ص ۶۳۰

سے امانت کے تقاضے پورے نہ ہو سکیں گے بلکہ وہ خیانت کا مرتکب ہو جائے گا اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ وہ لقطہ کو اپنی ذات کے لئے اٹھا رہا ہے، نہ کہ اصل مالک کو لوٹانے کے لئے تو اس صورت میں لقطہ کو اٹھا لینا حرام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَأْوِي الضَّالَّةَ إِلَّا ضَالٌّ۔ [1]

کھوئی ہوئی چیز کو گمراہ شخص ہی جگہ دیتا ہے۔

لقطہ امانت ہے

فقہائے احناف نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ لقطہ، ملتقط کے پاس امانت ہے اس میں نقصان کا یہ صرف اسی صورت میں ضامن ہو گا جب یہ خود دست درازی کرے یا بوقت طلب اصل مالک کو لوٹانے سے انکار کرے اور یہ اس صورت میں ہو گا جب ملتقط اس بات پر کسی کو شاہد بنالے کہ وہ یہ لقطہ اس لئے اٹھا رہا ہے تاکہ وہ اسے حفاظت سے رکھ سکے اور اصل مالک کے مل جانے کی صورت میں اسے واپس لوٹا سکے، اس طریقہ سے لقطہ کو اٹھا لینا شرعاً جائز بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَوَيْ عَدْلٍ" [2]

جو شخص کوئی لقطہ پائے، اسے چاہیئے کہ وہ اس پر دو عادل گواہ قائم کرے۔"

اس ارشاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اور مشہور اصول ہے کہ امر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے۔ جب کوئی لقطہ اٹھاتے وقت گواہ نہ بنائے تو اس کے یہ معنی سمجھے جائیں گے کہ وہ لقطہ کو اپنی ذات کے لئے اُٹھا رہا ہے۔ لقطہ پر گواہ بنانے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ لقطہ اُٹھانے والا یہ اعلان کر دے کہ اگر تم کسی شخص کو اپنے لقطہ کی بابت اعلان کرتے ہوئے سنو تو اسے میرا پتہ بتا دو/ یا اسے میرے پاس بھیج دو۔

اسی طرح اس وقت بھی لقطہ کو امانت تصوّر کیا جائے گا، جب صاحب لقطہ اور ملتقط اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ملتقط نے اسے واقعی اس لئے اُٹھایا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اسے بحفاظت

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰، ۳۶۲ - السنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۱۹۰ - سنن ابی داؤد (۱۷۲۰) سنن ابن ماجہ (۲۵۰۳) بعض روایات میں یاوی کے بجائے یؤوی کا لفظ ہے۔

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۶ بروایت عیاض بن حمار، جمع الفوائد ج ۲ ص ۴۰ - الاحسان ترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۱۹۹

مالک کو لوٹا دے۔

اگر ملتقط نے کسی کو گواہ بھی نہ بنایا ہو اور صاحبِ لقطہ و ملتقط متفق بھی نہ ہوں مثلاً ملتقط یہ کہے کہ میں نے تو اسے مالک کے پاس پہنچا دینے کے لئے اٹھایا تھا مگر مالک اس کی تصدیق نہ کرے بلکہ اس کی تکذیب کرے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لقطہ میں کمی بیشی ہونے کی صورت میں ملتقط ضامن ہو گا کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لقطہ کو اپنی ذات کے لئے اُٹھایا ہے، مالک کو واپس دے دینے کے لئے نہیں اُٹھایا۔

فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ لقطہ امانت ہے مگر اس کے لئے گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے لہٰذا جب کوئی مُلتقِط گواہ نہ بنائے تو ان کے نزدیک وہ ضامن نہ ہو گا، فقہائے احناف میں سے قاضی ابو یوسفؒ کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ لقطہ تو ودیعت ہے لہٰذا یہ محض ترکِ شہادت کی بنیاد پر امانت سے ضمانت کی طرف منتقل نہ ہو گا۔ ان حضرات کی دلیل سلیمان بن بلال سے مروی یہ حدیث ہے:

"إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَلْتَكُنْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ" [1]

"اگر اس کا مالک آجائے تو (اسے دے دو) ورنہ یہ تمہارے پاس ودیعت ہو گا۔"

انہوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ گواہ بنانا بھی شرط نہیں ہے تو اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زید بن خالد اور اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہما کو صرف لقطہ کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا، اس پر گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا [2] اور اصول یہ ہے کہ بوقت حاجت وضرورت بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، اگر گواہ بنانا واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت اسے ضرور بیان فرماتے، جب آپ سے لقطہ کے حکم کی بابت دریافت کیا گیا تھا، جب آپ نے اسے بیان نہیں فرمایا تو اس حدیثِ عیاض کو ــ جس سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے اور جس میں گواہ

---

[1] ۔ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۲ ص ۲۵ ۔ کتاب اللقطہ۔

[2] ۔ حدیثِ زید کے لئے ملاحظہ فرمایئے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳، ۹۴ ۔ صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۳۵، ابو داؤد (۱۷۰۷) ترمذی ج ۱ ص ۲۵۷، ابن ماجہ (۲۵۰۴) طحاوی ج ۲ ص ۲۷۴، ابن الجارود (۶۶۷) دار قطنی (۵۲۵)

اور حدیث ابی بن کعب کے لئے ملاحظہ فرمایئے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳، ۹۶ ۔ صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۳۵، ۱۳۶ سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۸

بنانے کا حکم مذکور ہے ۔ صرف استحباب پر محمول کیا جائے گا[۳]

حضرت الامام ابو حنیفہؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے کے مطابق اگر کوئی شخص لقطہ کو اُٹھالے اور پھر اسے اسی جگہ لوٹا دے جہاں سے اس نے اٹھایا ہو تو ظاہر روایت کے مطابق وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے تو صرف حصولِ ثواب کی نیت سے محض تبرعاً اسے اُٹھایا تھا تاکہ اسے بحفاظت مالک تک پہنچادے لہٰذا جب وہ اسے اس جگہ لوٹا دیتا ہے جہاں سے اس نے اٹھایا تھا تو اس کا تبرّع فسخ ہو جاتا ہے اور اس کی مثال اس طرح ہوتی ہے جس طرح اس نے اسے اٹھایا ہی نہ تھا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب مالک بھی ملتقط کی تصدیق کر دے کہ اس نے واقعی مال کو حفاظت کے نقطۂ نگاہ سے اٹھایا تھا یا ملتقط نے گواہ تو بنایا ہو مگر لقطہ ضائع ہوگیا ہو اور اگر گواہ نہ بنایا ہو تو پھر حضرت الامام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ضمان واجب ہوگا۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ گواہ بنائے یا نہ بنائے ضمان واجب نہ ہوگا مگر اس سلسلہ میں قولِ مُلتَقِط کا مقبول ہوگا کہ اس نے اسے اسی لئے اُٹھایا تھا تاکہ وہ اسے حفاظت سے مالک تک پہنچادے۔

حضرت الامام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص لقطہ کو وہاں پہنچادے جہاں سے اس نے اُٹھایا تھا تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے ایک گمشدہ اونٹ کو پکڑ لیا تھا:

"أَرْسِلْهُ حَيْثُ وَجَدْتَهُ"

"اُسے وہاں چھوڑ دو، جہاں اسے پایا تھا۔"

مگر مالکی مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ ملتقط جب لقطہ کو اسی جگہ لوٹا دے جہاں سے اس نے اُٹھایا تھا یا کسی اور کو دے دے تو وہ ضامن ہوگا۔

فقہائے شافعیہ و حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی انسان لقطہ اُٹھالے اور پھر اسے وہاں پہنچا دے جہاں سے اس نے اٹھایا تھا، تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ لقطہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے، اس پر اس کی حفاظت لازم ہے، اگر وہ اسے ضائع کر دے تو وہ ضامن ہوگا، جیسے ودیعت

---

[۳] ۔ المبسوط ج ۱۱ ص ۱۲، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۲۳، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۱، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۰۱۔
بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۲، الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۱، القواعد لابن رجب ج ۱ ص ۵۳، المغنی ج ۵ ص ۶۴۴ - ۶۴۷، مغنی المحتاج، ج ۲ ص ۴۰۷

ضائع کرنے کی صورت میں وہ ضامن ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ گویا جمہور کی رائے یہ ہے کہ لقطہ اُٹھا کر اسے وہاں پہنچا دینے کی صورت میں، جہاں سے اُٹھایا تھا، ضمان واجب ہوگا۔

قاضی کی اجازت کے بغیر اگر مُلْتَقِطْ، مالک کے علاوہ کسی اور کو لقطہ دے دیتا ہے، تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس پر واجب یہ تھا کہ وہ خود اس کی حفاظت کرتا، اس لئے کہ لقطہ کو اٹھانے کی صورت میں اس نے اس کی حفاظت کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔

اگر لقطہ مُلْتَقِطْ کے پاس ضائع ہو جائے اور اس نے اس پر گواہ بھی بنلئے ہوں یعنی لوگوں کے سامنے اس طرح کا کوئی اعلان کیا ہو کہ "مجھے لقطہ ملا ہے، جو شخص اس کی تلاش میں ہو، اسے میرے پاس بھیج دو۔" تو اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس نے گواہ نہ بنلئے ہوں تو پھر وہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن ہوگا جب کہ امام قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق ضامن نہ ہوگا بشرطیکہ اس نے لقطہ اس نیت سے اُٹھایا ہو کہ اسے وہ مالک کو لوٹا دے گا اور اگر مالک اس کو سچّا نہ مانے تو پھر مُلْتَقِطْ سے حلف لیا جائے گا۔

اگر ملتقط یہ اقرار کرے کہ اس نے لقطہ کو اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ اسے اپنی ملکیت قرار دے لے تو وہ ضمان سے بری نہ ہوگا اِلّا یہ کہ مالک کے پاس سے لوٹا دے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس نے اسے غصب کرنے کی نیت سے اُٹھایا ہے جب کہ اس پر واجب یہ تھا کہ اسے مالکِ مال کے پاس لوٹا دیتا۔[۱] چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

"عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ"[۲]

"اس چیز کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جسے اس نے اُٹھایا ہے تا وقتیکہ یہ اسے مالک کو ادا نہیں کر دیتا۔"

لقطہ کی اقسام لقطہ کی مشہور دو قسمیں ہیں (۱) یا تو وہ گرا پڑا ہوا مال ہوگا، جس کے مالک کے بارہ میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے اور (۲) حیوان ہوگا مثلاً گمشدہ اونٹ، گائے یا بھیڑ بکری وغیرہ۔

۱۔ مغنی المحتاج ج ۲، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۹۴، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۴، المبسوط ج ۱۱ ص ۱۱-۱۳،
بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۱۔

۲۔ مسند احمد ج ۵ ص ۸، ۱۳۔

لقطہ کے احکام

لقطۂ حیوان کا حکم یہ ہے کہ فقہائے حنفیہ و شافعیہ کے اصح قول کے مطابق اسے اُٹھا لینا جائز ہے تاکہ بحفاظت مالک تک پہنچا دیا جائے اور اُٹھا لینے کی صورت ہی میں لوگوں کے مال کا تحفظ اور اسے ضیاع سے بچانا ہے کیونکہ نہ اُٹھانے کی صورت میں یہ بھی خدشہ ہے کہ اسے خائن لوگ اُٹھا کر لے جائیں گے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گمشدہ حیوان یا لقطہ مال کو بھی اُٹھانا مکروہ ہے[1]، آپ کی دلیل وہ مشہور و معروف حدیث ہے، جسے اصحابِ کتبِ ستہ نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ، سے روایت کیا ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لُقْطَۃِ الذَّھَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ: اَعْرِفْ وِکَآءَھَا وَعِفَاصَھَا ثُمَّ عَرِّفْھَا سَنَۃً فَاِنْ لَّمْ تُعْرَفْ فَاسْتَنْفِقْھَا وَلْتَکُنْ وَدِیْعَۃً عِنْدَکَ فَاِذَا جَآءَ طَالِبُھَا یَوْمًا مِّنَ الدَّھْرِ فَادْفَعْھَا اِلَیْہِ، وَسَأَلَہٗ عَنْ ضَالَّۃِ الْاِبِلِ فَقَالَ مَا لَکَ وَلَھَا؟ فَاِنَّ مَعَھَا حِذَآءَھَا وَسِقَاءَھَا، تَرِدُ الْمَآءَ وَتَاْکُلُ الشَّجَرَ حَتّٰی یَجِدَھَا رَبُّھَا، وَسَأَلَہٗ عَنِ الشَّاۃِ فَقَالَ خُذْھَا فَاِنَّمَا ھِیَ لَکَ اَوْ لِاَخِیْکَ اَوْ لِلذِّئْبِ۔[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گرے پڑے سونے چاندی کے اُٹھانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کے بندھن اور برتن کی سال بھر تک پہچان کراؤ، اگر وہ نہ پہچانا جا سکے تو اسے خرچ کر لو مگر وہ تمہارے پاس امانت ہے، اگر کسی وقت اس کا مالک آ جائے تو اسے ادا کر دو، آپؐ سے کھوئے ہوئے اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تمہیں اس سے کیا؟ اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے پاس اس کا جوتا اور مشکیزہ

---

[1] ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۷۳۱، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۹۹، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۰۹، المبسوط ج ۱۱ ص ۱۱، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۲۸۔

[2] ۔ التلخیص الحبیر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ج ۳ ص ۷۳، حدیث ۱۳۳۱ (کتاب اللقطہ) صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۲ ص ۲۰ (کتاب اللقطہ کی پہلی حدیث) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۰۰ جمع الفوائد ص جامع الاصول مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵۸۔

ہے، وہ پانی تک خود پہنچ جاتا ہے اور درخت (کے پتے) کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے، پھر آپؐ سے کھوئی ہوئی بکری کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپؐ نے فرمایا بکری کو لے لو کیونکہ وہ تمہارے لئے ہے، یا تمہارے بھائی کے لئے یا بھیڑیے کے لئے۔"

اسی طرح حضرت منذر بن جریرؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں اپنے والد گرامی جریر کے ساتھ بوازیج کے کسی گاؤں میں تھا، شام کو جو گائیں چر چگ کر واپس آئیں، تو ان میں ایک گائے اجنبی بھی تھی۔ انہوں نے فرمایا یہ کیسی گائے ہے؟ لوگوں نے کہا کسی کی گائے، ہماری گائیوں کے ساتھ آگئی ہے چنانچہ ان کے حکم سے اس کو وہاں سے ہنکا دیا گیا، یہاں تک کہ وہ غائب ہوگئی، پھر انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا تھا:

لَا يَأْوِي الضَّالَّةَ إِلَّا ضَالٌّ۔ ١ھ

کھوئی ہوئی چیز کو گمراہ شخص ہی جگہ دیتا ہے۔

اسی طرح امام مالکؒ نے اس حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ ضَالَّةَ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔ ٢ھ

مسلمانوں کی کھوئی ہوئی چیز آگ کا ایندھن ہے۔

اسی طرح امام مالکؒ نے لقطہ کے بارہ میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

١ھ ۔ مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰، ۳۶۲، سنن ابن ماجہ حدیث ۲۵۰۳، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۱۹۰، الطحاوی ج ۲ ص ۲۷۳۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے ملاحظہ فرمایئے ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۷ - ۱۸،

٢ھ ۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں احمد بن راشد راوی ضعیف ہے نیز یہ روایت مسند احمد، سنن ابن ماجہ طحاوی اور ابن حبان میں بھی موجود ہے ملاحظہ فرمایئے۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷۔

عَرِّفْهَا فَإِنْ جَاءَ اَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعِدَّتِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَاَعْطِهَا اِيَّاهُ وَاِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا ۔ [۱]

"اس کا اعلان کرو، اگر کوئی آکر تمہیں اس کی تعداد، اس کا برتن اور اس کا ایندھن بتلا دے تو اسے دے دو ورنہ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔"

بہرآئینہ یہ ہیں وہ احادیث مبارکہ، جن سے حضرت الامام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ ضالہ، حیوان ہو یا لقطہ، مال سب کا اٹھانا مکروہ ہے!

فقہائے حنفیہ وشافعیہ نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا تعلق دورِ ماضی سے ہے جب اہل خیر وصلاح اور اصحابِ امانت ودیانت کا غلبہ تھا، اس وقت اس بات کا کم امکان تھا کہ لقطہ کو خائن لوگ اُٹھالیں گے مگر آج کل چونکہ ہر طرف خیانت اور بددیانتی کا دَور دَورہ ہے لہٰذا لقطہ کے اٹھا لینے ہی میں بہتری ہے تاکہ اسے حفاظت وصیانت کے ساتھ اصل مالک تک پہنچا دیا جائے!

لقطۂ مکۃ المکرمۃ

یاد رہے لقطہ اُٹھا لینے کے بارہ میں مذکورہ بالا احکام کا تعلق حج سے نہیں ہے کیونکہ اس بات پر تمام فقہی مکاتب فکر کے علماء وفقہا کا اجماع ہے کہ حج کے لقطہ کو اُٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُقَطَةِ الْحَجِّ" [۲]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حج کے لقطہ کے اُٹھانے سے منع فرمایا ہے۔"

اسی طرح مکۃ المکرمہ کے لقطہ کو اُٹھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکہ کے دن اپنے مشہور ومعروف خطبہ میں اس سے بھی منع فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کا ارشادِ گرامی تھا:

---

[۱] - صحیح البخاری (۲/ ۹۳، ۹۴) صحیح مسلم (۵/ ۱۳۵ - ۱۳۶) سنن ابی داؤد (حدیث ۱۷۰۱) سنن ترمذی (۲/ ۳۵۸) سنن ابن ماجہ (حدیث ۲۵۰۶) طحاوی (۲/ ۲۷۶) المنتقی لابن الجارود (حدیث ۶۶۸) السنن الکبری بیہقی (۶/ ۱۸۶) مسند احمد (۵/ ۱۲۶) بحوالہ ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۹۔

[۲] - مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۹، صحیح مسلم لشرح النووی ج ۱۲ ص ۲۸، کتاب اللقطہ بروایت عبدالرحمٰن بن عثمان۔

وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ۔ [1]

اس کی گری ہوئی چیز حلال نہیں مگر اعلان کرنے والے کے لئے۔

امام عبدالسلام بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ دونوں حدیثیں اس شخص کی دلیل ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حرم کی گری ہوئی چیز کسی حال میں بھی اٹھانے والے کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اس کا متواتر اعلان کرتے رہنا واجب ہے [2]۔"

لقطہ کا اعلان

اب سوال یہ ہے کہ جو شخص کسی لقطہ کو اُٹھالے تو وہ اس کا کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملتقط کو اس کا اعلان کرنا چاہیئے، چنانچہ ہم قبل ازیں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک شخص نے لقطہ کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس کا ایک سال اعلان کرو"، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

"لَا تَحِلُّ اللُّقَطَةُ، فَمَنِ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْ سَنَةً"

"لقطہ حلال نہیں ہے، جو شخص لقطہ کو اُٹھالے، اسے ایک سال تک اعلان کرنا چاہیئے" [3]

اعلان کیسے کیا جائے؟

جہاں سے لقطہ اُٹھایا ہو، وہاں بھی اعلان کیا جائے کیونکہ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ جس کی کوئی چیز گری ہو وہ بھی عموماً اس جگہ ڈھونڈنے آتا ہے، علاوہ ازیں عام مجمعوں، محفلوں، جلسوں، بازاروں، ہوٹلوں، قہوہ خانوں اور مسجدوں کے دروازوں پر اعلان کیا جائے۔ آج کل کے دور میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اعلان زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔ اعلان کے وقت لقطہ کے بعض اوصاف یا اس کی جنس وغیرہ بھی ذکر کردینی چاہیئے مثلاً یوں کہئے کہ:

"جس شخص کی کچھ نقدی یا کپڑے گم ہوئے ہوں تو وہ نشانی بتا کر مجھ سے لے سکتا ہے۔"

اعلان کے وقت تمام اوصاف یا نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرنا چاہیں تاکہ انہیں سن کر یا پڑھ کر کوئی غلط شخص نہ لے جائے۔

---

[1] - منتقی الاخبار از امام عبدالسلام بن تیمیہؒ ج ۲ ص ۱۶۴، دارالدعوۃ السلفیہ لاہور۔ [2] ایضاً

[3] - مسند البزار و سنن الدارقطنی بحوالہ۔ الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۵ ص ۷۷۵۔

لقطہ کا اعلان کرنا واجب ہے! جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک لقطہ کا اعلان کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث زید بن خالد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں عَرِّفْهَا سَنَةً (اس کا ایک سال تک اعلان کرو) امر کے الفاظ ہیں اور علماءِ اصول کے ہاں یہ ایک متفقہ و مسلمہ قاعدہ ہے کہ امر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لقطہ کا اعلان کرنا واجب ہے۔ ملتقط خود بھی اعلان کر سکتا ہے یا اس کی نیابت کے طور پہ کوئی دوسرا شخص بھی یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے[۱]

اعلان کتنی مدت تک؟! علماء و فقہائے امت کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص آبادی سے دور دراز کسی جنگل میں کوئی بکری پاتا ہے، تو وہ اسے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بکری کی بابت یہ ارشاد ہے — جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے — کہ "یہ تیرے لئے ہے، یا تیرے بھائی کے لئے، یا بھیڑیے کے لئے"[۲]! ہاں البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اصل مالک کے مل جانے کی صورت میں کیا یہ قیمت کا ضامن ہوگا یا نہیں؟

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ"[۳]

"کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خود اپنی خوشی سے دے دے۔"

امام مالکؒ کا اس سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس حدیث کے بظاہر الفاظ کے مطابق وہ ضامن نہیں ہے۔

۱۔ الدر المختار ج ۳ ص ۳۵۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۲۶، الشرح الکبیر للدردیر ج ۴ ص ۱۲۰، مغنی المحتاج ج ۲، ص ۴۱۱ - ۴۱۳، المہذب ج ۱ ص ۴۲۹، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۳۱ - ۶۳۳، نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۴۰، نہایۃ المحتاج للرملی ج ۴ ص ۳۶۲۔

۲۔ یہ جملہ حدیث زید بن خالد کے آخر میں ہے یہ حدیث بمع تخریج قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔

۳۔ مسند احمد ج ۵ ص ۷۲ — اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۱، سبل السلام ج ۳ ص ۶۰۔

بکری کے علاوہ دیگر گمشدہ اشیاء کے بارے میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن اشیاء کی اہمیت اور خاص قدر و قیمت ہو تو ان کا اعلان ایک سال تک کرنا چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ کا سال بھر تک اعلان کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ قبل ازیں احادیث مبارکہ ذکر کی جا چکی ہیں۔

جو چیز حقیر اور معمولی نوعیت کی ہو تو اس کے بارے میں فقہائے شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ حقیر چیز یعنی جس کی قیمت بہت ہی معمولی ہو یعنی ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر ہو تو اس کے ایک سال تک اعلان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ایک درہم سے کم قیمت کی چیز سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے" اور اسی طرح اگر لقطہ اتنی مالیت کا ہے کہ اس کے چرانے پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تو اس سے فائدہ اُٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یاد رہے چوری کی سزا کے لئے نصاب جمہور کے نزدیک ربع دینار اور احناف کے نزدیک دس درہم ہے الغرض اس نوعیت کے معمولی لقطہ کے لئے ایک سال تک اعلان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کر دیا جائے کہ ظن غالب یہ ہو کہ اب مالک مال اس سے بے نیاز ہو گیا ہو گا۔ مالکیہ کے نزدیک بھی اسی رائے کو ترجیح حاصل ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر لقطہ کی قیمت دس درہموں یعنی ایک دینار سے کم ہو تو پھر اپنی صواب دید کے مطابق کچھ دنوں تک اعلان کرے اور اگر دس درہموں یا اس سے زیادہ مالیت کی چیز ہو تو پھر اس کا ایک سال تک اعلان کرنا چاہیئے مگر فقہائے احناف کے نزدیک یہ روایت ظاهر الروایة شمار نہیں ہوتی کیونکہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص لقطہ پائے تو اس کا ایک سال تک اعلان کرے، خواہ وہ قیمتی ہو یا کم حیثیت کی ہو اور ظاہر الروایۃ یہی ہے، یاد رہے احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں یہ جو "ظاهر الروایة" ہے، فقہائے حنابلہ کے نزدیک یہی رائے ظاہر مذہب ہے[1]۔

---

[1]۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ بدایۃ المجتہد ص ۳۰۱ - ۳۰۳، الشرح الکبیر للدردیر ج ۴ ص ۱۲۰، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۳۲، المہذب ج ۱ ص ۴۳۰، مغنی المحتاج للرملی ج ۲ ص ۴۱۵، بدائع الصنائع للکاسانی ج ۶ ص ۲۰۲، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۰۲، فتح القدیر لابن الہمام ج ۴ ص ۴۲۴۔ مختصر الطحاوی ص ۱۳۹۔

جو اشیاء بہت ہی معمولی نوعیت کی ہوں، ان کے بارے میں فقہاء کرام میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انہیں اُٹھایا بھی جا سکتا ہے، استعمال میں بھی لایا جا سکتا ہے، ان سے استفادہ بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک سال تک اعلان کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے مثلاً کھجور، لاٹھی یا کپڑا وغیرہ کیونکہ ایک شخص نے جب گری ہوئی کھجور اُٹھا کر کھالی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اس کا انکار نہ فرمایا بلکہ یہ ارشاد بھی فرمایا "اگر تم اس کھجور کے پاس نہ آتے تو یہ ضرور تمہارے پاس آجاتی[۲]۔"

اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گری ہوئی کھجور کو جب دیکھا تو فرمایا:

"لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا" [۳]

"اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهٖ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهٖ۔ [۱]

"ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی، کوڑا، رسی اور ان جیسی چیزوں کے بارے میں جو کسی کو گری پڑی مل جاتی ہیں، فائدہ اُٹھانے کی رخصت دی۔"

ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد امام عبدالسلام بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"وَفِيْهِ إِبَاحَةُ الْمُحَقَّرَاتِ فِي الْحَالِ" [۲]

"معلوم ہوا کہ معمولی گری پڑی چیزیں پاتے ہی مباح ہیں۔"

---

[۲]۔ الفقہ الاسلامی وأدلتہ۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ج ۵ ص ۷۷۷۔

[۳]۔ صحیح البخاری (۲/۷، ۹۴) مسلم (۳/۱۱۷ – ۱۱۸) مصنف عبدالرزاق (حدیث ۱۸۶۴۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۶ ص ۱۹۵) ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۵

[۱]۔ ابوداؤد (حدیث ۱۷۱۷) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۹۵، مگر امام بیہقی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے نیز اس کی سند میں ضعف ہے محدث البانی فرماتے ہیں کہ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوالزبیر مدلس ہے۔ ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۵۔ [۲] منتقی الاخبار ج ۲ ص ۱۶۲۔

اسی طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں بازار سے ایک دینار ملا تو وہ اسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"عَرِّفْهُ ثَلَاثًا فَفَعَلَ فَلَمْ يَجِدْ اَحَدًا يَعْرِفُهُ فَقَالَ كُلْهُ" [۱]

اس کا تین دن اعلان کرو، چنانچہ انہوں نے تین دن اعلان کیا مگر کوئی شخص نہ ملا جس نے یہ کہا ہو کہ یہ میرا دینار ہے، تو آپ نے فرمایا اب تم اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ایک سال تک اعلان کرنے کا مذکورہ بالا شرعی حکم جو ہم نے بیان کیا ہے، وہ ان اشیاء کے بارے میں ہے جو جلدی خراب نہ ہوتی ہوں مگر جو اشیاء جلد خراب ہو جاتی ہوں، ان کے بارے میں فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ انہیں صدقہ کر دیا جائے یا خود کھا لے۔ شافعیہ کے نزدیک مُلْتَقِطْ کو اختیار ہے کہ یا تو اعلان کے بعد مالک نہ ملنے کی صورت میں انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت کو اپنے استعمال میں لے آئے یا فوری طور پر انہیں خود استعمال کرے اور اگر اعلان کرنے سے اصل مالک مل جائے تو اسے قیمت ادا کر دے۔

اعلان کہاں کیا جائے؟

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں یہ بیان کیا ہے کہ گمشدہ اشیاء کے اعلانات بازاروں، مجمعوں، محفلوں، ہوٹلوں، جلسوں اور مسجدوں کے دروازوں پر کئے جائیں۔ مسجدوں کے اندر اعلانات جائز نہیں ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللهُ اِلَيْهِ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا۔ [۲]

"جو کسی شخص کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سُنے تو وہ یہ کہہ دے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف اسے نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس چیز کیلئے نہیں بنائی گئی ہیں۔"

افسوس صد افسوس! آج ہم مسلمانوں کی نگاہوں سے مساجد کے ادب و احترام اور تقدس کا یہ گوشہ

---

[۱] - عبدالرزاق، بروایت ابو سعید بحوالہ فقہ السنّہ، سید سابق ج ۳ ص ۲۳۳

[۲] - اس حدیث کو امام مسلم اور ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوھریرہؓ اور امام بزار نے بروایت سعد بن ابی وقاص، انس بن مالک اور عبداللہ بن مسعود روایت کیا ہے (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

اوجھل ہوگیا ہے، ہماری مساجد کے سپیکروں سے آج بلا تکلف ہر قسم کے اعلانات کئے جاتے ہیں۔ خصوصاً دیہات اور قصبات کی مساجد کے لاؤڈ سپیکرز سے تو بہت ہی معمولی معمولی چیزوں کے بڑے مضحکہ خیز انداز میں اعلانات کئے جاتے ہیں۔ بہر آئینہ ارشادِ نبوی کے پیش نظر ہم سب مسلمانوں پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم مسجدوں سے ان اعلانات کی حوصلہ شکنی کریں اور مساجد کے ادب و احترام اور تقدس کو دل وجان سے بجالائیں!

ہمارا موضوع اجازت نہیں دیتا، ورنہ یہاں تفصیل سے اپنی گزارشات پیش کرتے کہ یہ اعلانات اور سپیکروں کا بے جا استعمال ایک طرف مساجد کی تقدیس واحترام کے منافی ہے تو دوسری طرف معاشرے خصوصاً مسجدوں کے پڑوسیوں کے امن، چین اور سکون میں کس قدر خلل انداز ہوتا ہے۔ وللتفصیل موضع اٰخر!

بہرحال مقصود یہ ہے کہ لقطہ اور گمشدہ اشیاء کا اعلان مساجد کے اندر نہ کیا جائے، ہاں البتہ مسجدوں کے دروازوں پر اعلان کیا جاسکتا ہے۔ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لقطہ پانے والے کو آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ مسجد کے دروازے کے پاس اعلان کرے[1]

بہر آئینہ مقدور بھر کوشش کرکے لقطہ کا اعلان، اظہار اور اشاعت اس انداز سے کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس کی اطلاع پہنچ جائے، جیساکہ ہم نے قبل ازیں اشارہ کیا عصرِ حاضر میں اخبارات وجرائد، ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے جدید ذرائع ابلاغ سے استفادہ زیادہ مفید نتائج کا حامل ثابت ہوسکتا ہے۔

سال بھر اعلان کرنے کی صورت میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ اس ضمن میں فقہائے شافعیہ سے یہ صراحت منقول ہے کہ شروع سال میں تو ہر دن صبح وشام دو بار اعلان کیا جائے، پھر کچھ دنوں بعد ہر دن ایک بار اعلان کیا جائے، پھر جب کچھ مدت اور گزر جائے تو ہفتہ میں ایک یا دو بار اعلان

---

[1] الفقہ الاسلامی وأدلتہ، ڈاکٹر وھبہ زحیلی، ج ۵ ص ۷۷۰ (یہ روایت مؤطا امام مالک اور سنن کبریٰ بیہقی (ج ۶ ص ۱۹۳) کی ہے مگر معاویہ بن عبداللہ بن بدر جہنی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۱)

کر دیا جائے اور پھر مہینہ میں ایک بار ضرور اعلان کیا جائے[2]

لقطہ کے اعلان و حفاظت کے اخراجات

لقطہ کے اعلان پر اگر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہو — جیسے اخبارات اور ریڈیو و ٹیلی ویژن پر اعلان کرنے کی صورت میں خرچ کرنا پڑتا ہے — تو فقہاءِ حنفیہ و حنابلہ کی یہ رائے ہے کہ اعلان و حفاظت کا خرچ مُلْتَقِطْ ہی کو برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ خود اعلان کرے تو اس صورت میں لقطہ کے مالک کو کوئی اجرت ادا نہیں کرنا پڑتی، اسی طرح اگر اعلان کے لئے وہ کسی کو اجیر بناتا ہے تو اس کی اجرت بھی مالک کے ذمہ نہ ہوگی۔

فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مُلْتَقِطْ لقطہ پر اپنی طرف سے کچھ خرچ کرے، تو مالک کو اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہے تو اخراجات ادا کر کے اپنے لقطہ کو واپس لے لے یا ان اخراجات کے عوض لقطہ ہی ملتقط کے پاس رہنے دے[1]

فقہائے شافعیہ کا قول یہ ہے کہ اس بارے میں تو کوئی کلام نہیں کہ لقطہ کا اعلان کرنا مُلْتَقِطْ پر واجب ہے لیکن اگر ملتقط نے لقطہ کو اس لئے اُٹھایا ہو کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور مالک کے مل جانے پر اسے بحفاظت لوٹا دے، تو اس صورت میں اعلان وغیرہ کے اخراجات ملتقط پر لازم نہ ہوں گے، انہیں بیت المال سے ادا کیا جائے گا یا ان اخراجات کو مالک کے ذمہ قرض تصور کیا جائے گا[2] اور اگر اس نے لقطہ اپنے لئے اُٹھایا ہو تو پھر اس کے ذمہ اعلان وغیرہ کے اخراجات لازم ہیں، خواہ اس نے لقطہ کو اپنی ملکیت میں لے لیا ہو یا ابھی تک نہ لیا ہو۔ "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" کے مصنف ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اس آخری رائے کو معقول قرار دیا ہے[3]

اسی طرح گمشدہ ملنے والے حیوان یا ایسا لقطہ جس پر خرچ کرنا پڑتا ہو، کے بارے میں جمہور

---

[2]- بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۲، رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۵۰، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۳۔ المغنی ج ۵ ص ۶۳۳، الشرح الکبیر للدردیر ج ۴ ص ۱۲۰، نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۴۰۔

[1]- الشرح الکبیر و حاشیۃ الدسوقی ج ۴ ص ۱۲۳۔

[2]- مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۳۔

[3]- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وھبہ زحیلی، ج ۵ ص ۷۷۸۔

کی رائے یہ ہے کہ لقطہ اٹھانے والے کو رضاکارانہ طور پر اس کی حفاظت کے فرائض بھی سرانجام دینا چاہئیں لہٰذا وہ مالک لقطہ سے نفقہ خرچہ وغیرہ نہ لے ہاں البتہ فقہاء شافعیہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی رضاکارانہ طور پر اس کی حفاظت و نگہداشت کے فرض سے دستبردار ہونا چاہے تو اسے حاکم سے باقاعدہ اجازت لینا ہوگی اور حاکم یا قاضی نہ ہونے کی صورت میں اسے نفقہ و خرچہ وغیرہ پر گواہی کا باقاعدہ اہتمام کرنا ہوگا۔

اسی طرح فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ اگر ملتقط، لقطہ پر قاضی یا حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کر رہا ہو تو پھر یہ اس کی طرف سے تبرع ہے کیونکہ اسے اس امر کا حق ولایت حاصل نہیں ہے کہ وہ مالک کے حکم یا اجازت کے بغیر اسے مقروض کر دے اور اگر وہ قاضی یا حاکم کے اذن سے خرچ کر رہا ہو تو اس کا یہ سارا خرچہ مالک لقطہ کے ذمہ قرض شمار ہوگا کیونکہ حاکم یا قاضی کو یہ حقِ ولایت حاصل ہے کہ وہ ایک غائب مسلمان کے مال کی حفاظت یا اس کی مصلحت کے نقطۂ نگاہ سے خرچ کرنے کا حکم دے سکتا ہے لہٰذا اس قسم کا مسئلہ جب عدالت میں پیش کیا جائے تو عدالت اس امر کا تعین کرے گی کہ اگر حیوان کے باقی رکھنے میں مالک کے لئے فائدہ ہے تو اسے باقی رکھا جائے گا اور اس کی حفاظت و کفالت اور نگہداشت کے لئے باقاعدہ اجرت کا تعین کر دیا جائے گا جسے مالک کو ادا کرنا ہوگا اور اگر بطریقِ اجارہ حیوان کو باقی رکھنا مالک کے لئے منفعت بخش نہ ہو اور خطرہ ہو کہ اس طرح سے باقی رکھنے کی صورت میں اس کی اجرت حیوان کی اصل قیمت سے بڑھ جائے گی تو پھر قاضی ملتقط کو یہ حکم دے گا کہ اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو اپنے پاس محفوظ رکھے[۱]۔

اگر عدالت کی رائے یہ ہو کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ حیوان کو فروخت نہ کیا جائے بلکہ اسے مالک کے لئے باقی رکھا جائے تو پھر عدالت لقطہ اُٹھانے والے کو یہ اجازت دے دے گی کہ وہ حیوان کی حفاظت کفالت اور نگہداشت کرے اور اس سلسلہ میں جو ضروری ہے وہ اخراجات بھی کرے، ان اخراجات کو عدالت مالک کے ذمہ قرض قرار دے دے گی لہٰذا جب مالک مِل جائے تو لقطہ اُٹھانے والے کو یہ

---

[۱] - الفقہ الاسلامی وادلتہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، ج ۵ ص ۷۷۹، سید سابق فرماتے ہیں کہ ملتقط صاحب لقطہ سے اخراجات کو واپس لے سکتا ہے ہاں اگر اس نے سواری یا دودھ وغیرہ کی صورت میں اخراجات کے بقدر استفادہ بھی کر لیا ہو تو پھر اسے اخراجات واپس لینے کا حق نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے فقہ السنہ ج ۳ ص ۲۳۴، ط، دارالکتاب العربی، ایڈیشن ہشتم ۱۹۸۷ء

اجازت دے دے گی کہ وہ حیوان کی حفاظت، کفالت اور نگہداشت کرے اور اس سلسلہ میں جو ضروری ہے وہ اخراجات بھی کرے، ان اخراجات کو عدالت مالک کے ذمہ قرض قرار دے دے گی لہٰذا جب مالک مِل جائے تو لقطہ اٹھانے والے کو یہ اختیار ہوگا کہ اس وقت تک اسے اپنی تحویل میں رکھے، جب تک مالک اس کے تمام اخراجات کو ادا نہیں کر دیتا اور اگر مالک اخراجات ادا کرنے سے انکار کر دے تو عدالت اس حیوان کو فروخت کر دے گی اور اس کی قیمت سے ملتقط کے اخراجات کو ادا کر دے گی[۱]

مالک کی طرف لقطہ واپس کرنے کی شرائط

لقطہ واپس کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ مالک کوئی ایسے نمایاں علامات بیان کرے جس سے یہ واضح ہو کہ یہ چیز واقعی اسی کی ہے یا پھر وہ کوئی شہادت پیش کرے جس سے اس کے مؤقف کی تائید ہوتی ہو یعنی دو گواہ پیش کرے، علامات بیان کرنے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس چیز کے نمایاں خدوخال، امتیازی نشانات، وزن، تعداد اور ایسی علامتیں بیان کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ واقعی یہ چیز اسی کی ہے، اس طرح کی علامات بیان کر دینے کی صورت میں ملتقط کو چاہیئے کہ وہ لقطہ اسے دے دے اس پر قریباً علماء و فقہاء کا اتفاق ہے' ہاں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا محض نمایاں علامات اور امتیازی نشانات سُن کر ہی لقطہ واپس کرنے کے لئے عدالت ملتقط کو مجبور کرے گی یا یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ عدالت شہادت بھی طلب کرے[۲]

فقہائے احناف و شوافع کا مذہب یہ ہے کہ ملتقط کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی ایسے مدعی کو لقطہ سپرد کر دے جس نے علامات وغیرہ تو بیان کر دی ہوں مگر کوئی شہادت پیش نہ کی ہو کیونکہ یہ شخص مدعی ہے اور ہر مدعی کے واسطے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں وہ دلیل بھی پیش کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۴، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۰، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۲۸، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۰۵، المہذب ج ۱ ص ۴۳۲، المبسوط ج ۱۱ ص ۹، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۳۳۔

۲۔ فتح القدیر ج ۴ ص ۴۳۱، المبسوط ج ۱۱ ص ۸، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۲، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۰۶، الدرالمختار ج ۳ ص ۳۵۳، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۲، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۶۔

"لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَ هُمْ، لٰكِنَّ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ"۔ [۱]

"اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کی بنیاد پر دے دیا جائے تو پھر کچھ لوگ دوسروں کے مالوں اور خونوں کا (ناحق) دعویٰ کرنے لگ جائیں گے (لہٰذا اصول یہ ہے کہ) مدعی دلیل پیش کرے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔"

اور پھر یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ لقطہ تو مال غیر ہے لہٰذا یہ احتیاط لازم ہے کہ اسے محض اوصاف وعلامات بیان کر دینے پر کسی شخص کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جیسے ودیعت کو سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ حنفیہ کے نزدیک ملتقط کے لئے یہ جائز ہے کہ صحیح علامات بیان کر دینے کی صورت میں مدعی کو لقطہ دے دیا جائے، شافعیہ کے نزدیک مدعی کو اس وقت لقطہ دے دینا جائز ہے، جب ظن غالب یہ ہو کہ وہ سچ بول رہا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہے کہ:

فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَعَدَدَهَا فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ، وَإِلَّا فَهِيَ لَكَ۔ [۲]

"اگر اس کا مالک آجائے اور وہ اس کے برتن کو، اس کے ایندھن کو اور اس کی تعداد کو اور اس کی تعداد کو بتا دے تو اسے دے دو، ورنہ وہ تمہارے لئے ہے۔"

فقہائے مالکیہ اور حنابلہ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جب صاحب لقطہ، مذکورہ بالا اوصاف کو بیان کر دے تو لقطہ اٹھانے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسے لقطہ دے دے خواہ اس کا ظن غالب اسے سچا تسلیم کرے یا نہ کرے، مذکورہ بالا اوصاف بیان کر دینے کی صورت میں شہادت پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں یہاں شہادت کے مطالبہ کا حکم نہیں ہے بلکہ حکم صرف یہ ہے کہ:

---

[۱] ۔ صحیحین بروایت ابن عباس بحوالہ التلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۰۸ حدیث نمبر ۲۱۳۶۔ صحیحین میں یہ حدیث بروایت ابن عباس رضؓ، قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ ہے ملاحظہ فرمائیے صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۲ ص ۲۔

[۲] ۔ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۵ ص ۱۳۵ - ۱۳۶ و دیگر کتب حدیث!

" فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعَدَدِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ "[۲]

" اگر آپ کے پاس آکر کوئی اس کی تعداد، اس کے برتن اور اس کے بندھن کے بارے میں بتا دے تو یہ اسے دے دو۔"

حضرت زید سے مروی درج ذیل حدیث کو بھی قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ :

اَعْرِفْ وِكَائَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ لَمْ تُعْرَفْ فَاسْتَنْفِقْهَا وَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِّنَ الدَّهْرِ فَأَدِّهَا إِلَيْهِ۔[۳]

" اس کے بندھن اور برتن کی سال بھر تک پہچان کراؤ، اگر وہ پہچانا نہ جا سکے تو اسے خرچ کر لو اور اگر کسی وقت اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کر دو۔"

ان احادیث مبارکہ میں صرف یہ حکم ہے کہ جب صاحبِ لقطہ، اپنے لقطہ کی بابت نمایاں شناخت اور ضروری علامات اور نشانیوں کو بیان کر دے تو اسے لقطہ دے دینا چاہیئے، ان احادیث یا اس موضوع سے متعلق دیگر احادیث میں سے کسی میں بھی یہ حکم نہیں ہے کہ صاحبِ لقطہ سے شہادت طلب کرنا بھی ضروری ہے اگر اس مسئلہ میں شہادت بھی ضروری ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ضرور ذکر فرما دیتے اس مقام پر شہادت کو اس لئے ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ لقطہ کے بارے میں شہادت پیش کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ چیز اکثر و بیشتر حالتِ سہو یا غفلت میں گم ہوتی ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہادت کے بارے میں جو ارشادِ گرامی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ :

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي[۱]

دلیل پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے

یعنی دلیل پیش کرنا مدعی کے واسطے اس وقت ضروری ہے جب کوئی مدعی کے دعویٰ کا منکر

۲۔ صحیح البخاری ج ۲ ص ۹۳، ۹۴۔ مسلم بشرح النووی ج ۵ ص ۱۳۵، ابو داؤد (۱۷۰۲) ترمذی ج ۱ ص ۲۵۷۔ ابن ماجہ (۲۵۰۴) طحاوی ج ۲ ص ۲۷۴، ابن الجارود (۶۶۷) دارقطنی (۵۲۵) بیہقی ج ۶ ص ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۲۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ ۳۔ ایضاً

۱۔ التلخیص الحبیر ج ۴ ص ۲۰۸۔ حدیث ۲۱۳۵

ہو مگر یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ کوئی منکر نہیں ہے لہٰذا یہاں شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔
ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں اسی رائے کو ترجیح حاصل ہے۔

لقطہ کو اپنی ملکیّت میں لے لینا

جب ایک سال تک اعلان کرنے کے باوجود لقطہ کا مالک نہ ملے تو کیا لقطہ کو اپنی ملکیت میں لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کے دو مشہور قول ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ فقیر اور مفلس انسان اسے اپنی ملکیّت میں لے سکتا ہے مگر صاحبِ ثروت وحیثیت کے لئے جائز نہیں ہے، جب کہ دوسرے قول کے مطابق مطلقاً ہر انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ سال بھر تک اعلان کرنے کے باوجود مالک کے نہ ملنے کی صورت میں لقطہ کو اپنی ملکیّت میں شامل کرے، خواہ وہ مفلس وقلاش ہو یا صاحبِ ثروت وحیثیت!

چنانچہ تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

فقہائے احناف کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ لقطہ اٹھانے والا اگر صاحبِ ثروت ہو تو اس کے لئے لقطہ سے استفادہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ لقطہ کو فقراء ومساکین میں صدقہ کردے خواہ وہ اجنبی لوگ ہوں یا اپنے ہی اعزہ واقارب حتّٰی کہ اپنے ماں، باپ اور بیوی بچوں کو بھی وہ دے سکتا ہے اس کے لئے مالک کی رضا کے بغیر اس سے انتفاع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مالِ غیر ہے اور قرآن وسنّت کے نصوص کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ مالِ غیر کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر استعمال میں نہ لایا جائے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ — البقرہ: ۱۸۸

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ — البقرہ: ۱۹۰

زیادتی نہ کرو، کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بھی ارشادِ گرامی ہے:

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ۔ ؎۱

کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

لقطہ کی اس مذکورہ بالا صورت کے بارے میں بطورِ خاص آپ کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

لَا تَحِلُّ اللُّقْطَةُ، فَمَنِ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْ سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَاْتِ فَلْيَتَصَدَّقْ۔" ؎۲

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ وَجَدَ لُقْطَةً فَلْيُشْهِدْ عَلَيْهَا ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوِیْ عَدْلٍ، وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَاِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ، وَاِلَّا فَهِيَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ" ؎۳

"جو شخص کوئی لقطہ پائے تو اسے چاہیئے کہ اس پر دو عادل گواہ بنالے اور نہ کچھ چھپائے اور نہ کوئی چیز غائب کرے، اگر لقطہ کا مالک آجائے تو اسے دے دے ورنہ یہ اللہ کا مال ہے، جسے وہ چاہتا ہے، دے دیتا ہے۔"

لقطہ اُٹھانے والا اگر فقیر ہو تو اس کے لئے ازراہِ صدقہ اس سے استفادہ جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

فَلْيَتَصَدَّقْ بِهٖ۔ ؎۴

اسے چاہیئے کہ وہ صدقہ کر دے۔

اگر لقطہ کا مال صدقہ کرنے یا استعمال کرنے کے بعد اس کے مالک کا علم ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس لقطہ کو بطورِ صدقہ برقرار رہنے دے اور اس صورت میں وہ یقیناً

؎۱۔ مسند احمد ج ۵ ص ۷۲۔

؎۲۔ مسند البزار، سنن الدار قطنی بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵ ص ۷۸۱، طبرانی میں اسے بروایت یعلیٰ بن مرّہ مرفوعاً بیان کیا گیا ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے (نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۳۷)

؎۳۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲، صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۱، سنن ابی داؤد (۱۵۰۳)، الروض (۱۱۶۹)

؎۴۔ یہ الفاظ طبرانی کی روایت میں ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے، ملاحظہ فرمائیے نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۳۷۔

اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر وہ چاہے تو لقطہ اُٹھانے والے کو ضامن قرار دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو اس فقیر سے واپس لے سکتا ہے، جس پر اسے صدقہ کیا گیا ہے بشرطیکہ فقیر کے پاس وہ موجود ہو۔

جمہور فقہائے کرام کی یہ رائے ہے کہ سال بھر اعلان کے باوجود مالک کے نہ ملنے کی صورت میں لقطہ اُٹھانے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ لقطہ کو اپنی ملکیت میں لے لے خواہ وہ صاحب ثروت و دولت ہو یا مفلس و قلاش! کیونکہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے اسی طرح مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات سے بھی اس رائے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ؎[1]

فَاِنْ لَّمْ تُعْرَفْ فَاسْتَنْفِقْهَا

اگر سال بھر اعلان کے باوجود اسے نہ پہچانا جا سکے تو اسے خرچ کر لو۔

دوسری روایت میں ہے:

وَاِلَّا فَهِيَ كَسَائِرِ مَالِكَ

مالک نہ آئے تو پھر یہ بھی تمہارے اپنے تمام مال کی طرح ہے۔

تیسری روایت میں ہے:

ثُمَّ كُلْهَا

پھر تم اس کو کھا سکتے ہو۔

چوتھی روایت میں ہے:

فَانْتَفِعْ بِهَا

تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

پانچویں روایت میں ہے:

فَشَأْنَكَ بِهَا

پھر اسے اپنے استعمال میں لاؤ۔

---

[1] یہ تمام احادیث صحیح ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے ارواء الغلیل ج ۶ ص ۱۵-۲۲، التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۷۳-۷۷

چھٹی روایت میں ہے، جو کہ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ سے مروی ہے:

فَاسْتَنْفِقْهَا

اسے خرچ کر لو۔

ساتویں روایت میں ہے:

فَاسْتَمْتِعْ بِهَا

اس سے فائدہ حاصل کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس سے فقہائے احناف نے استدلال فرمایا ہے وہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی قابلِ اعتماد کتاب میں موجود ہے، اسی طرح حدیث عیاض کے پیشِ نظر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر وہ مال جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو، اس کا مالک صرف وہی انسان بن سکتا ہے جو صدقہ کا مستحق ہو تو یہ دعویٰ بھی بلا دلیل و برہان ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ تمام اشیاء ہی خَلْقاً اور مِلْکاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ" النور: ۳۳

"اور اللہ نے جو مال تم کو بخشا ہے، اس میں سے ان کو بھی دو۔"

اب رہا یہ سوال کہ اسے اپنی ملکیت میں لینے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اس مسئلہ میں بھی فقہاء کرام کے آراء مختلف ہیں۔ فقہائے حنابلہ فرماتے ہیں کہ سال بھر تک اعلان کرنے کے باوجود مالکِ لقطہ کے نہ ملنے کی صورت میں لقطہ، اسے اٹھانے والے کی ملکیت میں مالِ وراثت کی طرح حکماً داخل و شامل ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر مالک آجائے تو اسے دے دو، ورنہ وہ بھی تمہارے باقی تمام مال ہی کی طرح ہے۔" اسی طرح آپ کے ارشادات دیگر بہت سی احادیث میں بھی ہیں، جن کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ سال گزرنے کے باوجود اگر اس کا مالک نہ ملے تو پھر لقطہ اٹھانے والا لقطہ کو اپنی ملکیت میں لینے کی نیت کرے یعنی لقطہ کو ملکیت میں لینے کے قصد و ارادہ اور نیت کی تجدید کرے۔

فقہائے شافعیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس صورت میں اسے لقطہ کو اپنی ملکیت میں شامل کرنے

کا اختیار حاصل ہو جائے گا لہٰذا وہ زبان سے اس طرح کے الفاظ ادا کر کے اسے اپنی ملکیت میں لے کہ میں نے جو لقطہ اُٹھایا تھا اسے اب اپنی ملکیّت میں لیتا ہوں۔

اہلِ ظاہر کے سوا دیگر تمام فقہائے کرام و علمائے عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر سال بھر اعلان سے قبل لقطہ اٹھانے والا، لقطہ کو خود استعمال کرے تو اس صورت میں وہ بریٔ الذمہ نہ ہوگا بلکہ اسے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔[1]

لقطۂ حل و حرم

جمہور فقہاء و علماء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سال بھر تک لقطہ کے اعلان کے بارے میں مذکورہ بالا احکام ہر قسم کے لقطہ پر منطبق ہوتے ہیں خواہ اسے مکہ مکرمہ سے اُٹھایا گیا ہو یا کسی بھی دوسرے شہر سے کیونکہ لقطہ تو ایک طرح سے ملتقط کے پاس امانت ہے لہٰذا حل و حرم میں اس کا حکم مختلف نہیں ہوگا جس طرح امانت و ودیعت کا حکم حل و حرم میں یکساں ہے اسی طرح لقطہ کا حکم بھی یکساں ہے اور پھر لقطہ سے متعلق جس قدر بھی احادیثِ مبارکہ ہیں، ان میں حل و حرم کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

یاد رہے لقطۂ مکہ کے اعلان کی تخصیص کے بارے میں جو حدیث مروی ہے اس سے مقصود درحقیقت اس وہم کا ازالہ ہے کہ لقطۂ مکہ کے اعلان کی ضرورت نہیں کیونکہ مکہ تو اجنبی لوگوں کی جگہ ہے لہٰذا یہاں اعلان کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ فقہائے شافعیہ نے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ لقطہ حرم کا اعلان بھی سال بھر، ہر صورت میں واجب ہے، لقطۂ حرم ملکیت میں لینے کے لئے اٹھانا تو حلال ہی نہیں بلکہ اسے ہمیشہ حفاظت ہی کے نقطۂ نگاہ سے اٹھانا چاہیئے کیونکہ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں یہ حدیث شریف موجود ہے:

"إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ، لَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا"

"اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا قرار دیا ہے، اس کا لقطہ صرف وہ شخص اٹھائے جو

---

[1] ملاحظہ فرمایئے الشرح الکبیر للدردیر و حاشیہ الدسوقی ج ۴ ص ۱۲۱، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۱، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۵، المہذب ج ۱ ص ۴۳۰، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۳۶

[2] فتح القدیر ج ۴ ص ۴۳۰، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۰۱، بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۲، الشرح الکبیر للدردیر ج ۴ ص ۱۲۱، المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۴۲

اس کا اعلان کرنا چاہیے۔"

صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"لَا تَحِلُّ لُقَطَتُہُ الْحَرَمِ اِلَّا لِمُنْشِدٍ" ۱؎

حرم کا لقطہ اٹھانا حلال نہیں مگر اعلان کرنے والے کے لئے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطۂ حِل اور لقطۂ حرم میں یہ فرق اور امتیاز فرمایا ہے کہ لقطۂ حِل کے لئے تو اعلان کی مدت ایک سال ہے مگر لقطۂ حرم کے اعلان کے لئے ایک سال کی محدود و متعین مدت نہیں ہے بلکہ اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اعلان کیا جائے گا کیونکہ حرم مکہ کو تو اللہ تعالیٰ نے "مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ" (لوگوں کے لئے بار بار جمع ہونے کی جگہ) قرار دیا ہے، لوگ یہاں بار بار آتے ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ مالِ لقطہ کا مالک اگلے سال یا اس سے اگلے سال یا کسی بھی وقت آجائے یا اپنے مالِ گمشدہ کی تلاش میں کسی دوسرے شخص کو یہاں بھیج دے، مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے گویا ایک یہ اعزاز بھی بخشا کہ یہاں گم ہونے یا گرنے والا مال بھی محفوظ ہے۔

لمحہ فکریہ لقطہ کے احکام و مسائل تو بحمداللہ و حسن توفیقہ اختتام و پذیر ہوئے مگر اب آخر میں ہم اپنے قارئین کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ان احکام و مسائل کے بیان کرنے سے مقصود و مطلوب کیا ہے؟ اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟؟

اس سلسلہ میں ہماری گذارش صرف اس قدر ہے کہ آج ہم جس دَور سے گزر رہے ہیں، یہ انتہائی پرفتن دَور ہے، فتنہ و فساد کی آندھیاں ہر سُو چل رہی ہیں، انتشار و خلفشار کے طوفان ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے، غداریوں اور سازشوں کے زلزلے ہیں، جو ہمارے قصرِ حیات میں شگاف اور دراڑ پیدا کرتے جا رہے ہیں، تباہی و بربادی کے سلسلے ہیں کہ ان میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے، ہر طرف اضطراب ہی اضطراب، امن، چین اور سکون کے الفاظ لغت کی کتابوں میں تو ملتے ہیں مگر ہماری زندگیوں میں ان کا کوئی وجود نہیں، لادینیت، الحاد، زندیقیت، تشکیک اور مختلف آزموں کی بادِ صرصر سے ایمان کی کھیتیاں مرجھا گئی ہیں، دِل کی دُنیا بنجر اور بے آباد ہو گئی ہے، نئی نئی بیماریاں انسانی روح

۱؎ ۔ صحیح بخاری مع شرحہ فتح الباری ج ۴ ص ۲۰-۴۰ ۔ طبع مصطفی البابی، مصر ۱۹۵۹ء ۔ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۱۲۳ - ۱۳۰ ۔

۲؎ ۔ صحیح البخاری، بحوالہ التلخیص الجبیر، حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۷۶ ۔

کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، ساری انسانیت درد و کرب سے چیخ چیخ اٹھی ہے اور سوجھیس بنا لینے والی عقل عیار بھی جواب دے رہی ہے کہ وہ ان بیماریوں کے علاج سے عاجز و قاصر ہے ؎

دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش

خرد نالاں کہ ما عندی بتریاقٍ ولا راق

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف التحیۃ والتسلیم جسے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (تم بہترین امت ہو) کے لقب سے نوازا گیا تھا اور جسے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (تم ہی بلند بالا ہو) کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا تھا، آج اس امت پر بھی فتح و نصرت کے دروازے بند ہیں بلکہ یہ دیگر اقوام و ملل کی نسبت کچھ زیادہ ہی دن بدن اجتماعی انحطاط کی طرف لڑھکے چلے جا رہی ہے۔

اگر ہم ان شقاوتوں کو سعادتوں سے بدلنا چاہتے ہیں، ان شکستوں اور نامرادیوں کے عوض نصرتوں اور کامرانیوں کے خواہاں ہیں اور آلام و مصائب کے بجائے امن، چین اور سکون کے متلاشی ہیں، تو آیئے پھر اسی خدائے ذوالجلال والاکرام سے لو لگالیں، جس نے ہمارے ساتھ فتح و نصرت کے وعدے فرمائے ہیں، اور پھر سے اس عہد و پیمان پر کاربند ہو جائیں، جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے اللہ تعالیٰ سے کر رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کے ارشادات اور اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق اپنی عملی زندگیاں ڈھال لیں مگر افسوس کہ آج مسلمان رشد و ہدایت کے ان حقیقی سرچشموں سے اعراض کر رہے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر منکرینِ خدا اور رسول کے ملحدانہ افکار و نظریات اور فلسفہ و عقائد کو اپنا رہے ہیں حالانکہ درحقیقت قرآن مجید اور حدیث پاک ہی ہماری تمام بیماریوں کا علاج، تمام دردوں کا درماں اور تمام دکھوں کا مداوا ہے، ہم مسلمانوں کے لئے اس دور پرفتن میں اگر کوئی چیز ذریعہ نجات بن سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم کتاب و سنّت کے احکام پر عمل پیرا ہوں، انہیں اپنا دستور و منشور ٹھہرائیں اور سارے نظامِ زندگی کو صرف انہی دو بنیادوں پر استوار کریں۔

ہمارے دین متین اور شریعت بیضاء کے سامنے جو مقاصد ہیں، وہ پانچ ہیں یعنی (۱) دین (۲) جان (۳) عقل (۴) نسل اور (۵) مال کی حفاظت اور انہی پانچ امور کی حفاظت ہی سے ملک اور معاشرہ امن، چین اور سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ زر، زن اور زمین کے حدود و قیود میں افراط و تفریط کے

باعث دنیا جہنّم کا نمونہ بن رہی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں کہ انسانی زندگی کے ان پہلوؤں سے متعلق اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا کو جنّت نظیر بنایا جاسکتا ہے !

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اسلام نے تو ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ اگر کسی کی کوئی گری پڑی ہوئی چیز بھی مل جائے تو اسے بھی ہم مقدور بھر کوشش کر کے اس کے مالک تک پہنچا دیں مگر ہم کیسے مسلمان ہیں کہ دن دیہاڑے چوری، ڈکیتی اور رہزنی ہمارا معمول بنتا جارہا ہے، تمام حدود و قیود، تمام ضابطوں اور تمام اصولوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ہمارے سروں پر صرف ایک ہی دھن سوار ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کر لیں۔ ہمیں اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس ذریعہ سے حاصل ہو رہی ہے۔ ہمیں اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کی فکر ہے اور اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ معیارِ آدمیت کس قدر گر رہا ہے، ان حالات میں قرآن ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پکار رہا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ (سورۃ التکاثر)

”تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور پہنچ جاتے ہو، ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں تم کو معلوم ہو جائے گا، ہرگز نہیں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے پھر (سن لو کہ) تم بالکل الیقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے، پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔“

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین